اقوال زریں

حضرت لقمانؑ

□ جب خلقت کے پاس آؤ تو زبان کی نگہداشت کرو□ مصائب سے مت گھبراؤ کیونکہ ستارے اندھیرے ہی میں چمکتے ہیں□ حکمت ودانائی مفلس کو بادشاہ بنادیتی ہے□ جو بات دشمن سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو، دوست سے بھی پوشیدہ رکھو ہوسکتا ہے کبھی وہی تمہارا دشمن ہوجائے□ جدوجہد نہ کرنا خناثی کا باعث ہوتا ہے اور خناثی دین وکنگ، عقل کو ضعیف اور مروت کو زائل کردیتا ہے□ وقت کی اگر قیمت ہے تو وہ اس کا صحیح استعمال ہے □ کوئی چیز تیرے نزدیک نعمت آخرت سے محبوب تر نہ ہو□ خاموشی کو اپنا شعار بنانا کہ شرزبان سے محفوظ رہے۔

روزنامہ سہارا راشٹریہ ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA HYDERABAD

عیدالاضحیٰ مبارک

عیدالاضحیٰ

یا عید قربان صرف ایک تہوار ہی نہیں، بلکہ سنت ابراہیمی کا تازہ کرنے کا عظیم موقع اور اسوہ ابرہیم کو فراموش نہ کرنے کے عہد کی تجدید ہے۔ یہ تہوار ہماری زندگی میں ہر سال آتا ہے اور ایثار وقربانی کے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔ عیدالاضحیٰ کا بنیادی فلسفہ ہی قربانی، ایثار، خلوص اور اللہ کی راہ میں اپنی عزیز ترین چیز کو اس طرح قیھاور کرنا، کہ ان کا مقصد صرف اللہ کی خوشنودی اور رضا کا حصول ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ ہو۔ مسلمان عیدالاضحیٰ میں صرف قربانی نہیں کرتا ہے، بلکہ قربانی سے پہلے یہ عہد کرتا ہے کہ میری نماز میری عبادات، میرا جینا، میرا مرنا اُس رب العلمین کیلئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ عیدالاضحیٰ میں صرف جانوروں کی قربانی نہیں کرتے، بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی بھی قربانی دینی ہوتی ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ثابت کر کے دکھادیا کہ ان کا ایمان رب سے تعلق اولاد کی محبت سے زیادہ ہے، جس کیلئے وہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں، یہاں تک کہ اپنی اولاد کو قربان بھی کرسکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہمیں بھی اپنی اولاد سے زیادہ اپنے رب سے تعلق کو قائم کرنا ہوگا۔ اسی میں امت مسلمہ کی کامیابی مضمر ہے۔ تہوار منانا اور خوشیوں کا اظہار بہت قدیم روایت ہے، جو ہر قوم اور ہر دور میں پائی جاتی ہے، لیکن اسلام کے 2 تہوار عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ خوشیوں کے ساتھ ساتھ بہت سارے پیغام اور جذبات رکھتے ہیں۔ یہی ان تہواروں کی خصوصیت اور روح ہیں، یہی وجہ ہے اسلامی تہواروں کی دنیا کی باقی اقوام کے تہواروں سے منفرد حیثیت ہے، جسے ہر کوئی دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ اسلامی تہواروں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کا آغاز عبادت سے ہوتا ہے، جس میں اخوت وبھائی چارے اور اتحاد کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ قربانی اللہ کا ایسا پسندیدہ عمل ہے، جس کا کوئی بدل نہیں ہے اور ایام قربانی میں قربانی سے زیادہ محبوب عمل کوئی اور نہیں ہے۔ قربانی میں دکھاوا اور ریاکاری کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ نہ ہی قربانی کے بعد جانور کا پورا گوشت طویل عرصے تک اپنے پاس رکھ کر کھانا چاہئے۔

عیدالاضحیٰ پر کی جانے والی قربانی جہاں فی نفسہ ایک عظیم عبادت اور بندگی ہے، وہیں یہ قربانی امت مسلمہ کو عظیم الشان سبق دیتی ہے۔ ہر صاحب استطاعت مسلمان پر قربانی واجب ہی نہیں، بلکہ گوشت کا ایک حصہ غریبوں میں اور دوسرا عصر رشتہ داروں میں تقسیم کرنا چاہئے، نہ کہ پورا گوشت اپنے پاس رکھ لینا چاہئے، بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ کوئی بھی قربانی کے گوشت سے محروم نہیں رہے۔ قربانی کے جہاں بہت سے فضائل بیان کئے گئے ہیں، وہیں صاحب استطاعت ہونے کے باوجود قربانی نہ کرنے پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ قربانی کی حقیقت اور اس کے پیچھے سوچ اور اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ دل میں جس چیز کی محبت اور طلب ہو وہی اللہ کی خاطر قربان کردی جائے۔ قربانی کیلئے جانوروں کے انتخاب کی کافی اہمیت ہے۔ ایسا نہیں کہ کسی بھی جانور کی قربانی کردی جائے۔ قربانی جتنی عظمت والی ہے، جانور بھی اتنا ہی اچھا ہونا چاہئے۔ ظاہری بات ہے کہ اللہ کی راہ میں کی جانے والی قربانی کے جانور کا معیار اچھا ہونا چاہئے۔ اسی لئے حکم ہے کہ جانور بے عیب ہو، تندرست اور توانا ہو، نہ بیمار، نہ بوڑھا، نہ لنگڑا ہو، نہ مقصدی موت ہوجائے گا۔ یہ معیار اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کیا ہے، نہ کہ ہم اسے گوشت خوری کا معیار اور ذریعہ بنالیں۔ عیدالاضحیٰ کوئی گوشت خوری کا تہوار نہیں ہے، بلکہ کردار سازی کا تہوار ہے۔ یہی اس تہوار کا مقصد بھی ہے اور پیغام بھی، کیونکہ جہاں اور جس عظیم شخصیت سے یہ سنت جاری ہے، وہاں سے گوشت خوری کیلئے قربانی کا حکم نہیں تھا، بلکہ تقرب الٰہی کیلئے سب سے محبوب اولاد یعنی انسان کی قربانی کا حکم تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی دینے کی آزمائش میں کامیاب ہوئے لیکن ان کی یاد میں اللہ تعالیٰ نے جو سنت جاری رکھی، اس میں باری تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے انسانی جان کی قربانی کی آزمائش میں مبتلا نہیں کیا، بلکہ کسی جانور کی قربانی کرکے اپنی جان کا فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ یہ بہت بڑی رعایت ہے۔ اس لئے جو جانور قربان ہوتے ہیں، وہ انسانی قربانی کے بدل کی حیثیت رکھتے ہیں، تو وہ جانور معیوب کیسے ہوسکتا ہے؟

ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ صفائی نصف ایمان ہے، لیکن دیکھا جاتا ہے کہ قربانی کے موقع پر ہم اکثر گندگی کے زریعہ ایک الگ ہی پیغام دیتے ہیں۔ باقیات کو ٹھکانے لگانے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے، جبکہ ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہمارے عمل سے دوسروں کو بشت پیغام ملے اور کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ سوشل میڈیا کے دور میں قربانی کی تصاویر بھی شیئر کرنے کرنے سے بچنا چاہئے۔ ایسا کرنے سے نہ تو مقصد حاصل ہوتا ہے اور نہ اس پیغام کے ہم حقدار ہوپاتے ہیں، جو یہ عظیم تہوار دیتا ہے۔

edit2sahara@gmail.com

کیا حج کے حقیقی مقاصد سے مسلم دنیا دور ہوچکی ہے؟

ڈاکٹر محمد ضیاء اللہ

اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک حج ہے جس کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ اس کے کئی پہلو ایسے ہیں جو اس کو دیگر عبادات سے ممتاز بناتے ہیں۔ اس تحریر میں حج کے مالی اور بدنی عبادت ہونے کے پہلوؤں کا ذکر کیا جائے گا کیونکہ اس کے لئے موقر علماء عظام کی تحریریں اور تقریریں موجود ہیں جن کی طرف رجوع کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس کا ہم میں حج کے سیاسی اور عالمی مسائل کے حل سے متعلق پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کا ایک خاص پس منظر ہے کہ اس برس عیدالاضحیٰ اور حج کا موسم ایسے وقت میں آیا ہے جب ایک طرف بیت اللہ کی طرف سفر کرنے کی استطاعت رکھنے والے تقریباً 20 لاکھ مسلمان اپنے رب کے حکم سے حج کے رکن اعظم کی ادائیگی کے لئے پہنچے ہوئے ہیں جہاں وہ ایک ہی وقت میں، ایک لباس میں ملبوس، ایک ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے اپنے رب واحد کو پکار رہے ہیں اور قلبا وقالبا اس بات کا اعلان اور اقرار کر رہے ہیں کہ وہ اتحاد ویگانگت کی زندہ اور بولتی ہوئی تصویر ہیں۔ وہیں دوسری طرف فلسطین وغزہ میں 23 لاکھ غیور مسلمان جو مسجد اقصیٰ کی حفاظت کی عظیم ذمہ داری نبھا رہے ہیں اور اپنی جان ومال سے ہر طرح کی قربانیاں پیش کر رہے ہیں ان کے مسائل کو حل کرنے میں پوری مسلم دنیا نہ صرف ناکام ونامراد رہے بلکہ ان فلسطینیوں کے قاتلوں کے ساتھ خفیہ واعلانیہ طور پر ساتھ گانٹھ کرتی نظر آتی ہے۔ اس کا یہ پیغام دنیا کی باقی قوموں تک پہنچتا ہے؟ کیا اس عمل سے اس کا اشارہ نہیں ملتا کہ حج کے موقع پر ظاہری ڈھنگ سے ایک رنگ میں رنگی ہوئی امت جو ایک ہی قبلہ اور ایک ہی نعرہ کے ساتھ اپنے رب واحد کے سامنے کھڑی ہوئی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ حاضر ہے دراصل کھوکھلے اتحاد کا مظہر بن چکی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ حج دراصل محض ایک سالانہ رسم بن چکا ہے اور اس کی روح کو خود اس امت نے پامال کردیا ہے کہ اس کے ظاہر کا اتحاد اس کے باطن کے انتشار کو واضح کرتا ہے اور اس کے اندرون کی کمزوریاں اس کی پالیسیوں کی ناکامی کی شکل میں ظاہر ہورہی ہیں اور اس کی قیمت امت کے دونوں جہاں اور خواتین پیش کرتی ہیں جن کی تحفظ کی ذمہ داری زمام قیادت وخلافت الٰہی سنبھالنے والوں کے کاندھوں پر ڈالی گئی تھی؟ اس صورت حال سے اگر امت دوچار ہے تو اس کے لئے کس کو ذمہ دار مانا جانا چاہئے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس دور میں جس طرح امت کے قائدین نے دیگر تمام دینی و

> **ہزار تفرقوں اور چھوٹے بڑے حصوں میں منقسم ہونے کے باوجود حج مسلمانوں کو ایک ساتھ جمع ہونے کا پلیٹ فارم عطا کرتا ہے۔ اسلام دشمن عناصر خوف زدہ رہتے ہیں کہ کہیں یہ امت حج کے اس جوہر اور اس کے حقیقی مفہوم کو نہ سمجھ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ ظلم پر مبنی عالمی نظام کے لئے سخت آزمائش ثابت ہوجائے گا۔**

اسلامی ذمہ داریوں سے دست بردار ہوکر صرف اپنے محدود حلقہ اختیار پر قانع رہنا پسند کرلیا ہے اسی طرح اس امت کی اکثریت جن میں علماء وعوام، دانشوران اور عامۃ المسلمین بھی شامل ہیں انہوں نے بھی حج کے مقاصد کو طاق نسیاں میں ڈال کر صرف اس کو ایک سالانہ رسم کے طور پر باقی رکھ چھوڑا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب تلاش کئے بغیر یہ امت اپنی ذلت کے گہرے غار سے باہر نہیں آسکتی۔ اس کا علاج یہ ہرگز نہیں ہے کہ مشرق وسطیٰ سے امریکی ومغربی اثر ورسوخ کے خاتمہ کے بعد عرب اور مسلم دنیا تیقین ورس کے دامن تھام لے۔ اس سے مسلم دنیا کے مسائل میں کمی نہیں آئے گی۔ اس کے برعکس اگر امریکہ کی فکری وعسکری اور سیاسی ماتحتی سے بچنے چھوٹے گانو ان تمام محاذوں پر چینی روسی بالادستی کو قبول کرنا پڑے گا جس کے اپنے تہذیبی و ثقافتی منفی نتائج ہوں گے۔ مسلم دنیا کو اس حقیقت کو قبول کرنا زیادہ اُجاگر کرنا ہے وہ دو علاقائی پارٹیاں جنتا دل (متحدہ) اور تیلگو دیشم پارٹی (ٹی ڈی پی) ہیں۔ ان کے درمیان 28 نشستیں ہیں۔ دونوں کی قیادت تجربہ کار اور ہوشیار لیڈر کر رہے ہیں اور دونوں ہی اپنی ریاستوں میں کافی مقبول ہیں۔ بالترتیب نتیش کمار اور این چندرا بابو نائیڈو جو پہلے بی جے پی کی زیرقیادت وفاقی مخلوط حکومتوں میں خدمات انجام دے چکے ہیں اور پھر حکمراں جماعت کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے، خاص طور پر مسٹر مودی کی وجہ سے، این ڈی اے چھوڑ چکے ہیں تو ان کے ساتھ مسٹر مودی کے چلنے پر شکوک وشبہات ضرور قائم ہوں گے۔ کیونکہ ان تینوں میں سے ہر ایک اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے مرکزی حکومت کے لیے اڑچنیں پیدا کرسکتے ہیں۔ 2019 میں آندھرا پردیش کے چیف منسٹر کے طور پر خدمات انجام دیتے ہوئے مسٹر نائیڈو نے مسٹر مودی کو "دہشت گرد" قرار دیا تھا، لیکن اب وہ انہیں کے ساتھ حکومت قائم کر رہے ہیں۔ واقعی سیاست میں کوئی کسی کا دوست یا دشمن ہمیشہ نہیں رہتا۔ مزید براں صرف دو یا تین اتحادیوں پر منحصر اتحادی حکومتوں کے خاص طور پر گرنے کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہتا رہا۔ اس کے علاوہ گاؤں، دیہات میں رہنے والے لاکھوں غریب انسان جانور پال کر اس موقع پر انہیں اچھی قیمت میں فرخت کرتے ہیں، لاکھوں غریب قصاب قربانی کی برکت سے حلال رزق کماتے ہیں اور بے شمار غریب چارہ وتیمرہ بیچ کر اپنی مالی حالت بہتر کرتے ہیں۔ لہٰذا قربانی جہاں ایک اہم ترین عبادت ہے وہیں غریبوں کی خدمت کرنے کی ایک حسین صورت بھی ہے۔ آج عالمی سپر پاور طاقتیں انسانیت کی ہمدردی کا دم بھرتی ہیں، دوسری طرف کمزور ونہتے افراد پر ظلم وستم کے پہاڑ بھی ڈھاتی ہیں۔ مغرب کی جانب سے اٹھنے والا فلاح انسانیت کا نعرہ بظاہر بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے، لیکن گزشتہ 8 ماہ سے فلسطین اور غزہ کے مسلمانوں پر اسرائیل کی اندھا دھند بمباری نے (جس میں ہزاروں بے گناہ افراد موت کے منہ میں چلے گئے۔ کئی ہزار بچے، خواتین اور بزرگ زخموں سے کراہ رہے ہیں) شاندار تصویر پیش کرتے ہیں اس کے پیچھے ایک نہایت تکلیف دہ حقیقت چھپی ہوئی ہے جس کا واضح عکس ہمیں غزہ وفلسطین پر اسرائیل کے تاجائز اور غاصبانہ قبضہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔ دنیا کے باقی حصوں میں بھی مسلمانوں کی جو حالت زار ہے اس کے پیچھے بھی اس حقیقی وحدت کا فقدان ہی ذمہ دار ہے جس کی ظاہری تصویر ہمیں ہر سال حج کے موسم میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ حج کے ارادہ سے حرمین پہنچنے والا مسلمان ہر سال اس امید میں توبہ کرتا ہے کہ اس کے ماضی کے تمام گناہ دھل گئے اور اس کو نئی زندگی اور نئی تازگی حاصل ہو گئی لیکن مسائل ومشکلات کے زخم سے لہولہان امت اسلامیہ گزشتہ کئی صدیوں سے اپنے زخم چاٹ رہی ہے اور امید کرتی رہتی ہے کہ اس کا زخم مندمل ہوجائے اور وہ قوت کے ساتھ کھڑی ہوتا کہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرسکے اور عالمی قیادت کا اپنا وہ کام پورا کرسکے جس میں اسلام کا عدل اور اس کی رحمانی کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ اسلام اپنی ذات کے گہرے غار سے باہر نہیں آسکتی۔ اس کا علاج یہ ہرگز نہیں ہے کہ مشرق وسطیٰ سے امریکی ومغربی اثر ورسوخ کے خاتمہ کے بعد عرب اور مسلم دنیا تیقین ورس کے دامن تھام لے۔ اس سے مسلم دنیا کے مسائل میں کمی نہیں آئے گی۔ اس کے برعکس اگر امریکہ کی فکری وعسکری اور سیاسی ماتحتی سے بچنے چھوٹے گانو ان تمام محاذوں پر چینی روسی بالادستی کو قبول کرنا پڑے گا جس کے اپنے تہذیبی و ثقافتی منفی نتائج ہوں گے۔ مسلم دنیا کو اس حقیقت کو قبول کرنا زیادہ اُجاگر کرنا ہے وہ دو علاقائی پارٹیاں جنتا دل (متحدہ) اور تیلگو دیشم پارٹی (ٹی ڈی پی) ہیں۔ ان کے درمیان 28 نشستیں ہیں۔ دونوں کی قیادت تجربہ کار اور ہوشیار لیڈر کر رہے ہیں اور دونوں ہی اپنی ریاستوں میں کافی مقبول ہیں۔ بالترتیب نتیش کمار اور این چندرا بابو نائیڈو جو پہلے بی جے پی کی زیرقیادت وفاقی مخلوط حکومتوں میں خدمات انجام دے چکے ہیں اور پھر حکمراں جماعت کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے، خاص طور پر مسٹر مودی کی وجہ سے، این ڈی اے چھوڑ چکے ہیں تو ان کے ساتھ مسٹر مودی کے چلنے پر شکوک وشبہات ضرور قائم ہوں گے۔ کیونکہ ان تینوں میں سے ہر ایک اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے مرکزی حکومت کے لیے اڑچنیں پیدا کرسکتے ہیں۔ 2019 میں آندھرا پردیش کے چیف منسٹر کے طور پر خدمات انجام دیتے ہوئے مسٹر نائیڈو نے مسٹر مودی کو "دہشت گرد" قرار دیا تھا، لیکن اب وہ انہیں کے ساتھ حکومت قائم کر رہے ہیں۔ واقعی سیاست میں کوئی کسی کا دوست یا دشمن ہمیشہ نہیں رہتا۔ مزید براں صرف دو یا تین اتحادیوں پر منحصر اتحادی حکومتوں کے خاص طور پر گرنے کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہتا ہے۔ کیونکہ اگر ایک بھی جماعت اپنی حمایت واپس لے لے، تو حکومت ڈھیر ہوجاتی ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ مسٹر مودی کی قیادت میں مخلوط حکومت ایک صحت مند جمہوریت کے قیام میں ایک بااثر کردار ادا کرسکتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس سے وزیراعظم کے غلبے کو کم کیا جاسکتا ہے، گورننس کو مرکزیت حاصل ہوسکتی ہے، چیک اینڈ بیلنس میں اضافہ ہوسکتا ہے، اپوزیشن کا حوصلہ بڑھ سکتا ہے اور بیوروکریسی، عدلیہ اور میڈیا جیسے اداروں کو مزید خودمختار بنایا جاسکتا ہے، لیکن درحقیقت یہ ایک دیوانے کا خواب ہی لگتا ہے۔ اس سے اہل بہاری واچینی، جو کہ بی جے پی کے اہم لیڈروں میں سے ایک ہیں، انہوں نے 1998 اور 2004 تک ایک کامیاب کیثیر الجماعتی مخلوط حکومت چلائی۔ انہوں نے سرکاری اداروں کی نجکاری کی، غیر ملکی سرمایہ کاری کی سہولت فراہم کرائی، ملک میں ایکسپریس وے بنوائے، تجارتی رکاوٹوں کو کم کیا اور یہاں تک کہ آئی ٹی انقلاب بھی لائے۔ کیونکہ مسٹر واچینی میں سب کو ساتھ لے کر چلنے کا فن کمال کا تھا جبکہ موجودہ منظر نامے میں ہمیں اس کا فقدان نظر آتا ہے۔ مسٹر واچینی کے جوہری تجربات پر دہائیوں پرانی پابندی ختم کی، پاکستان کے ساتھ تعاون کم کیا اور امریکہ کے ساتھ بھی قریبی تعلقات استوار کرے۔ اس کا زیادہ تر تعلق مسٹر واچینی کے منفرد انداز سے تھا۔ لیکن مسٹر مودی کا اتحاد ماضی کے اتحاد سے کافی مختلف ہے۔ اکثریتی حکومت کے لیے درکار 272 سے کم سیٹیں حاصل کرنے کے باوجود بی جے پی نے پھر بھی 240 سیٹیں حاصل کیں، اس لیے وہ ایک بااثر اور غالب اتحادی لیڈر بنی ہوئی ہے۔ ماضی میں اس سے بھی کم سیٹوں کے ساتھ کامیاب اقلیتی حکومتیں چلائی گئی ہیں۔ کانگریس 1991 میں 232 سیٹوں کے ساتھ اقلیتی حکومت چلاسکیں گے؟ کیا وہ اپنا دبنگ انداز چھوڑ کر مختلف علاقائی اتحادیوں کو ساتھ لے کر چل سکیں گے؟ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ مسٹر مودی کے لئے اتحاد میں ہموار سفر کرنے کا امکان بہت مشکل ہے۔ کیونکہ بنیادی طور پر انہیں ایک ایسا شخص مانا جاتا ہے جو سب کچھ اپنی انا کی خاطر کرتا ہے، کیونکہ وہ نرگسیت کا شکار ہے اور کسی دوسرے کو اپنے سے آگے جاتے یا مقبول ہوتے نہیں گوارا کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت سازی کا ان کا انداز بھی کوئی مخالفت تسلیم کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوسکتا لیکن اب مسٹر مودی کو جن دو اتحادیوں پر سب سے زیادہ انحصار کرنا ہے وہ دو علاقائی پارٹیاں جنتا دل (متحدہ) اور تیلگو دیشم پارٹی (ٹی ڈی پی) ہیں۔ ان کے درمیان 28 نشستیں ہیں۔ دونوں کی قیادت تجربہ کار اور ہوشیار لیڈر کر رہے ہیں اور دونوں ہی اپنی ریاستوں میں کافی مقبول ہیں۔ بالترتیب نتیش کمار اور این چندرا بابو نائیڈو جو پہلے بی جے پی کی زیرقیادت وفاقی مخلوط

> **مسٹر واچپئی نے جو ہری تجربات پر دہائیوں پرانی پابندی ختم کی، پاکستان کے ساتھ تناؤ کم کیا اور امریکہ کے ساتھ بھی قریبی تعلقات استوار کئے۔ اس کا زیادہ تر تعلق مسٹر واچپئی کے منفرد انداز سے تھا۔ لیکن مسٹر مودی کا اتحاد ماضی کے اتحاد سے کافی مختلف ہے۔**

حکومتوں میں خدمات انجام دے چکے ہیں اور پھر حکمراں جماعت کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے، خاص طور پر مسٹر مودی کی وجہ سے، این ڈی اے چھوڑ چکے ہیں تو ان کے ساتھ مسٹر مودی کے چلنے پر شکوک وشبہات ضرور قائم ہوں گے۔ کیونکہ ان تینوں میں سے ہر ایک اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے مرکزی حکومت کے لیے اڑچنیں پیدا کرسکتے ہیں۔ 2019 میں آندھرا پردیش کے چیف منسٹر کے طور پر خدمات انجام دیتے ہوئے مسٹر نائیڈو نے مسٹر مودی کو "دہشت گرد" قرار دیا تھا، لیکن اب وہ انہیں کے ساتھ حکومت قائم کر رہے ہیں۔ واقعی سیاست میں کوئی کسی کا دوست یا دشمن ہمیشہ نہیں رہتا۔ مزید براں صرف دو یا تین اتحادیوں پر منحصر اتحادی حکومتوں کے خاص طور پر گرنے کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ گاؤں، دیہات میں رہنے والے لاکھوں غریب انسان جانور پال کر اس موقع پر انہیں اچھی قیمت میں فرخت کرتے ہیں، لاکھوں غریب قصاب قربانی کی برکت سے حلال رزق کماتے ہیں اور بے شمار غریب چارہ وتیمرہ بیچ کر اپنی مالی حالت بہتر کرتے ہیں۔ لہٰذا قربانی جہاں ایک اہم ترین عبادت ہے وہیں غریبوں کی خدمت کرنے کی ایک حسین صورت بھی ہے۔ آج عالمی سپر پاور طاقتیں انسانیت کی ہمدردی کا دم بھرتی ہیں، دوسری طرف کمزور ونہتے افراد پر ظلم وستم کے پہاڑ بھی ڈھاتی ہیں۔ مغرب کی جانب سے اٹھنے والا فلاح انسانیت کا نعرہ بظاہر بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے، لیکن گزشتہ 8 ماہ سے فلسطین اور غزہ کے مسلمانوں پر اسرائیل کی اندھا دھند بمباری نے (جس میں ہزاروں بے گناہ افراد موت کے منہ میں چلے گئے۔ کئی ہزار بچے، خواتین اور بزرگ زخموں سے کراہ رہے ہیں) مسلمانوں کے خلاف، جنہ انہوں نے انتخابی مہم کے دوران بہت زیادہ غلط انداز میں استعمال کیا تھا؟ مؤثر اتحادی سیاست ایک بلاک کے طور پر کام کرنے اور چیک اینڈ بیلنس پیش کرنے کے لیے اجتماعی کارروائی کا مطالبہ کرتی ہے۔ اب اہم سوال یہ ہے کہ اتحادی شراکت دار اور بی جے پی کن اہم مسائل پر متفق ہوسکتے ہیں؟ مسٹر مودی کی پارٹی بیک وقت وفاقی اور ریاستی انتخابات کرانے کے متنازع منصوبے پر زور دے رہی ہے، جسے ہندوستان نے 1967 میں ترک کردیا تھا۔ ان کی پارٹی نے ایک یکساں سول کوڈ یا دیوی ہی، تمام شہریوں کے لیے ایک واحد پرسنل لاء کے نفاذ کا وعدہ بھی کیا ہے، بلا لحاظ مذہب اور اس کے علاوہ جنس اور جنسی رجحانات کی پالیسیوں کی ماضی میں ملک کے اکثریتی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کا باعث بنی ہیں۔ اس کے علاوہ یکساں سول کوڈ کو نافذ کرنے کا مطلب ہوگا کہ اس کا اثر ہندو اکثریتی آبادی پر نہیں پڑے گا، جبکہ مسلمان اس سے متاثر ہوں گے۔ اس کا ایک خاص پس منظر ہے کہ اس برس عیدالاضحیٰ اور حج کا موسم ایسے وقت میں آیا ہے جب ایک طرف بیت اللہ کی طرف سفر کرنے کی استطاعت رکھنے والے تقریباً 20 لاکھ مسلمان اپنے رب کے حکم سے حج کے رکن اعظم کی ادائیگی کے لئے پہنچے ہوئے ہیں جہاں وہ ایک ہی وقت میں، ایک لباس میں ملبوس، ایک ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے اپنے رب واحد کو پکار رہے ہیں اور قلبا وقالبا اس بات کا اعلان اور اقرار کر رہے ہیں کہ وہ اتحاد ویگانگت کی زندہ اور بولتی ہوئی تصویر ہیں۔ وہیں دوسری طرف فلسطین وغزہ میں 23 لاکھ غیور مسلمان جو مسجد اقصیٰ کی حفاظت کی عظیم ذمہ داری نبھا رہے ہیں اور اپنی جان ومال سے ہر طرح کی قربانیاں پیش کر رہے ہیں ان کے مسائل کو حل کرنے میں پوری مسلم دنیا نہ صرف ناکام ونامراد رہے بلکہ ان فلسطینیوں کے قاتلوں کے ساتھ خفیہ واعلانیہ طور پر ساتھ گانٹھ کرتی نظر آتی ہے۔ اس کا یہ پیغام دنیا کی باقی قوموں تک پہنچتا ہے؟ کیا اس عمل سے اس کا اشارہ نہیں ملتا کہ حج کے موقع پر ظاہری ڈھنگ سے ایک رنگ میں رنگی ہوئی امت جو ایک ہی قبلہ اور ایک ہی نعرہ کے ساتھ اپنے رب واحد کے سامنے کھڑی ہوئی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ حاضر ہے دراصل کھوکھلے اتحاد کا مظہر بن چکی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ حج دراصل محض ایک سالانہ رسم بن چکا ہے اور اس کی روح کو خود اس امت نے پامال کردیا ہے کہ اس کے ظاہر کا اتحاد اس کے باطن کے انتشار کو واضح کرتا ہے اور اس کے اندرون کی کمزوریاں اس کی پالیسیوں کی ناکامی کی شکل میں ظاہر ہورہی ہیں اور اس کی قیمت امت کے دونوں جہاں اور خواتین پیش کرتی ہیں جن کی تحفظ کی ذمہ داری زمام قیادت وخلافت الٰہی سنبھالنے والوں کے کاندھوں پر ڈالی گئی تھی؟ اس صورت حال سے اگر امت دوچار ہے تو اس کے لئے کس کو ذمہ دار مانا جانا چاہئے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس دور میں جس طرح امت کے قائدین نے دیگر تمام دینی و

منظر نامہ

شاندار تصویر پیش کرتے ہیں اس کے پیچھے ایک نہایت تکلیف دہ حقیقت چھپی ہوئی ہے جس کا واضح عکس ہمیں غزہ وفلسطین پر اسرائیل کے تاجائز اور غاصبانہ قبضہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔ دنیا کے باقی حصوں میں بھی مسلمانوں کی جو حالت زار ہے اس کے پیچھے بھی اس حقیقی وحدت کا فقدان ہی ذمہ دار ہے جس کی ظاہری تصویر ہمیں ہر سال حج کے موسم میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ حج کے ارادہ سے حرمین پہنچنے والا مسلمان ہر سال اس امید میں توبہ کرتا ہے کہ اس کے ماضی کے تمام گناہ دھل گئے اور اس کو نئی زندگی اور نئی تازگی حاصل ہو اتنی اہمیت اس لئے ہے کیونکہ یہ صرف اپنی ذات کی تشکیل نو کا مؤثر ذریعہ ہی نہیں بلکہ امت کی تشکیل نو کا تحمہ بھی اسی میں مضمر ہے۔ یہ روئے زمین پر ایک قسم کا عالمی کانفرنس ہے جس میں مسلمانوں کی وحدت ظاہر ہوتی ہے۔ ہزار تفرقوں اور چھوٹے بڑے حصوں میں منقسم ہونے کے باوجود حج مسلمانوں کو ایک ساتھ جمع ہونے کا پلیٹ فارم عطا کرتا ہے۔ اسلام دشمن عناصر خوف زدہ رہتے ہیں کہ کہیں یہ امت حج کے اس جوہر اور اس کے حقیقی مفہوم کو نہ سمجھ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ ظلم پر مبنی عالمی نظام کے لئے سخت آزمائش ثابت ہوجائے گا۔ کیونکہ حج میں وہ صلاحیت موجود ہے کہ یہ امت کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرکے انہیں تمام امراض وآفات سے آزاد کروسے اور اسے ایک ایسی ناقابل تسخیر قوت میں تبدیل کردے جس کا مقابلہ کوئی ہتھیار نہ کرسکے۔ آخر امریکی مستشرق لوتھروپ اسٹیوارڈ نے بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں لکھی اپنی کتاب 'حاضر العالم الاسلامی' میں یہ کیوں لکھا کہ مسلمانوں کی وحدت کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تیسری چیز ایسی نہیں ہے جو ان دونوں سے زیادہ امت اسلامیہ کی وحدت کو باقی رکھنے میں اپنا کردار ادا کرسکے۔ ایک حج اور دوسری خلافت۔ لوتھروپ نے اس کے بعد مغربی دانشوران کو اس غلطی پر متنبہ کیا ہے کہ وہ صرف خلافت کو مسلمانوں کی وحدت کا عنصر سمجھتے ہیں جبکہ بعد بہتر تفصیل کے ساتھ حج کی مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں اور اس کی معنویت، اختلاف زبان ومکان کے باوجود مسلمانوں کا آپس میں ملنا، ایک دوسرے سے اسلامی جذبات کو شیئر کرنا اور پھر ہر ایک کے حالات سے باخبر ہوکر اپنے ارادے میلوں میں لوٹ کر اس حال میں جانا کہ وہ جسد واحد کی طرح سوچتے ہوں اور ایک دوسرے کے مسائل کو حل کرنے کے تئیں سنجیدہ ہوں اور اسلامی مصالح کی بنیاد پر سب کا ایک جہت ہونا یہ ایسے عناصر ہیں جو کسی بھی قوم کو اوج ثریا تک پہنچانے کے لئے کافی ہیں۔ ماضی میں حج کی اسی سماجی واہمیت کو پیش نظر رکھ کر اسلامی بیداری کی راہ میں اپنا رول ادا کرنے والی اسلامی شخصیات جن میں محمد بن عبدالوہاب، امام سنوسی، جمال الدین افغانی اور عبدالرحمٰن کواکبی شامل ہیں ان حضرات نے حج کے میدان سے اسلامی عظمت کی اہمیت بتانے اور مسلم دنیا کو رہنمائی فراہم کرنے کے لئے استعمال کیا جس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے، لیکن آج کل حج کے موسم کے سلسلہ میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عدد کے اعتبار سے تو مسلمانان عالم بڑی تعداد میں وہاں مناسک حج کی ادائیگی کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اپنی ذات کی اصلاح کی امید سے واپس آتے ہیں لیکن اس کا نہ تو ایک دوسرا پڑا مقصد ہے جس کے ذریعہ امت کی تشکیل کا کام کیا جاتا چاہئے وہ مفقود ہے۔ جب تک اس عددی قوت کو مقاصد حج کے عالمی پیغام کے ساتھ ہم آہنگ کرکے ایک زبگرمی عملی قوت میں تبدیل نہیں کیا جائے گا تب تک غزہ وفلسطین ہی کیا سوڈان وعراق اور لیبیا کے مسائل بھی حل نہ